Lesson 5: Yunus (Ayaat 75- 109): Day 17

سُوۡرَةُ یُونس کی تفسیر

آیات پہ جانے سے پہلے آج کے سبق کا بنیادی تھیم۔ یہاں سے نہ صرف پارہ پورا ہو رہا ہے بلکہ سورۃ بھی پوری ہو رہی ہے۔ شروع میں بات کی تھی کہ یہ مکی دور کی آخری سورۃ تھی اور نبیؐ کے حالات اس قسم کے تھے کہ پوری مخالفت کے باوجود آپ دینِ حق سے نہیں ہٹے۔

پوری سورۃ میں ایمان بالرسال کو اُجاگر کیا گیا اور نبیوں کا بے لوث ہونا اور اللہ کے کاموں کو کرنے کا ذکر تھا۔ پھر درمیان میں ہم نے قرآن کی خوشیوں کی بات کی، اولیاء اکرام کون ہوتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں کہانیاں ہیں۔ پچھلے سبق میں نبی کریمؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپؐ سے فرمایا گیا کہ ان کو حضرت نوحؑ کی خبر پڑھ کے سُنائیں۔ نوحؑ کون تھے؟ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کے دین کا کام کیا۔ اسطرح دنیا میں جس شخص کو سب سے پہلے داعیِ الااللہ کا Houner ملا وہ حضرت نوحؑ تھے۔ اُن کے بعد یہ سلسلہ چلتا گیا اور ہوتے ہوتے حضرت موسیٰؑ سے لے نبی کریمؐ سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کا دور ہوا۔ آج کے سبق میں ہم موسیٰؑ کی دعوت اور اسکے راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور آپ کو حکم کہ اُن تمام حالات میں کہ جب لوگ بات نہ سُننا چاہیں، کسطرح سے اُن کو بات سُنائی جائے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی بنی اسرائیل کی ہسٹری کی revision ہو رہی ہے۔ اسکے بعد جو دوسری بات ہم اس میں پڑھیں گے وہ قومِ یونس کی توبہ ہے۔ اس کی روشنی میں بات ہو گی کہ جب اللہ اجتماعی طور پہ قوموں کو پکڑتا ہے تو اُنکو اجتماعی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کیسے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو عذاب دِکھا کے پلٹا دیا۔

اگلی چیز اس میں شک سے بات شروع ہوتی ہے اور جُھٹلانے پہ ختم ہوتی ہے۔

ہم Steps دیکھیں گے کہ کیسے انسان سب سے پہلے راہِ ہدایت سے دور ہوتا ہے اور پھر دور ہی ہو جاتا ہے۔

آخری موضوع کہ اگر اللہ کوئی تکلیف دینا چاہے تو کوئی اُسے اُس تکلیف سے روک نہیں سکتا اور اگر اللہ کسی کو کوئی خیر دینا چاہے تو کوئی اُس خیر کو نہ لے سکتا ہے نہ دے سکتا ہے۔ا

ور پھر آخر میں بہت خوبصورت طریقے سے اللہ کے نبیؐ کو صبر کی تلقین ہے۔ان آیات میں کہانیاں ہیں۔ عملی باتیں لینے کی ضرورت ہے۔ان میں چھ رسولوں کا تذکرہ ہے۔ حضرت نوح کا صرف تین آیات میں ذکر ہوا۔اب اس کے بعد آیت 74 میں تمام رسولوں کا ذکر ناموں کے بغیر ہے۔ آیت 75 سے حضرت موسیٰؑ کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۷۵﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ ہم نے حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ سے پہلے تک کے انبیاء کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو بھیجا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت کو اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہدائیت کے طرف بُلانا نہیں چھوڑا۔ ہم تو چھوڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں 'اب نہیں کہوں گی تمہیں، تھک گئی

ہوں کہہ کہہ کے'۔ اللہ نہیں تھکتا۔ "الھدٰی" ہوتا ہی وہ ہے جو مسلسل ہدائیت کی طرف بُلاتا رہے۔ ہم نے دیکھا کہ زیادہ قوموں نے نبیوں کو جُھٹلایا لیکن اللہ کو اتنا غصہ نہیں آیا کہ اگلوں کو کہہ دے کہ جاؤ اب میں تمہارے پاس کوئی نبی نہیں بھیجتا۔

یہاں سے پہلی عمل کی بات نوٹ کیجیئے کہ کوئی مانے یا جُھٹلائے، اخلاص سے، درد سے دین کی دعوت دیتے رہنا ہے۔ صرف انداز بدلنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات بِاٰیٰتِنَا سے کیا مُراد ہے؟ تو جب بھی دین کی بات کریں دلائل کے ساتھ بات کریں۔ بعض دفعہ ہم بات شروع کر لیتے ہیں لیکن آگے سے پھر ہم سے سنبھلتی نہیں۔ اکثر سٹوڈنٹس پوچھتے ہیں کہ ہم نے بات کی لیکن لوگ مانتے نہیں آگے سے بحث شروع کر دیتے ہیں۔ تو بِاٰیٰتِنَا سے ہم سب کے لیئے عمل کی بات ہے کہ دلیل ہو، آیات ساتھ لے کے جائیں۔ اب حضرت موسیٰؑ کون سی آیات ساتھ لے کے گئے تھے وہ جادو کا عصا تھا یا یدِ بیضہ کا معجزہ تھا، یا بعد کے دور میں تورات کی آیتیں تھیں لیکن میرے اور آپ کے لیئے عمل کی بات یہ ہے کہ جو بات اللہ کے قرآن کو بیان کر کے دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں وہ ہم اپنی دس باتوں سے بھی نہیں سمجھا سکتے۔ اب ہوا کیا، اتنی تیاری کے ساتھ گئے لیکن پھر بھی اُنہوں نے جُھٹلایا۔ اب یہاں ایک نقطہ نوٹ کریں کہ جب ہم پڑھتے ہیں کہ آیتوں کے ساتھ بھیجا تو ذہن میں آتا ہے کہ آگے آنا چاہیئے تھا فَكَذَّبُو ، آیتوں کی تکذیب کی۔

لیکن یہاں یہ لفظ نہیں ہے۔ اُس Root cause کا ذکر ہے جو تکذیب پہ مائل کرتی ہے۔ یعنی اُنہوں نے یہ کہنے کی بجائے کہ وہ تکبر میں آ گئے تھے بلکہ انکار کر دیا۔ پتا چلا کہ "تکبر" ہی وہ چیز ہے جو حق کو نہیں ماننے دیتا۔ اللہ کے نبیؐ کے پاس ایک صحابی نے آ کے سوال کیا کہ اللہ کے نبیؐ! میرا دل چاہتا ہے

کہ میرا کپڑا اچھا ہو، میرا تسمہ اچھا ہو تو کیا یہ تکبر ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا "نہیں تکبر یہ ہے کہ حق کو جُھٹلا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا"۔ یہاں تکبر اپنے اصل معنوں میں آرہا ہے کہ جب اُن کے پاس اللہ کی آیتیں آئیں، اللہ کے نبی نے بات کی لیکن اُنہوں نے اُسے جُھٹلا دیا اور بات کہنے والے کو حقیر سمجھا۔ تو کیا پتہ چلا کہ جس دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ حق کو نہیں مانے گا۔

ہدایت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ "تکبر" ہے۔

اور بعض دفعہ تکبر کرنے والوں کو خود بھی نہیں پتا ہوتا کہ ہم متکبر ہیں۔ وہ کبھی اپنے آپکو بولڈ کہہ رہے ہوتے ہیں، کبھی سٹریٹ فارورڈ کہہ رہے ہوتے ہیں، کبھی اوور کانفیڈینٹ ہوتے ہیں لیکن اصل میں وہ تکبر ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے "اللہ اُس دل کو جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا جنت میں داخل نہیں کرے گا"۔ اور تکبر بھی کیا اور وہ تھے ہی مجرم۔ اگر آپ لفظ لکھیں فَاسْتَكْبَرُوْا اور اُس کے آخر میں لکھیں مُّجْرِمِيْنَ۔ تو تکبر ہی بندے کو بڑے سے بڑے جرم پر مجبور کرتا ہے۔ جب بندہ جرم کرتا ہے تو اصل میں وہ اُس وقت خود کو بہت بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اور کسی اصول کو مانے بغیر وہ سمجھتا ہے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ساری باتیں کر کے ہمیں بتا دیا کہ یہ مجرم تھے۔ مجرم کیسے بنے، تکبر کیا۔ اب جرم کیا تھا آیت 76

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾

پس جب ہمارے پاس سے حق ان کے سامنے آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے ۔

یہ تھا ان کا جرم۔ آپ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ انکا جرم کیا تھا؟ تو آپ لکھیں گے کہ حق کو جادو کہنا۔

وجہ ؟۔۔ پیچھے ہم نے بات کی تھی کہ حق کا اثر دل پہ ہوتا ہے، جادو کا اثر بعض دفعہ دماغ پہ ہوتا ہے۔لوگ جادو کے ذریعے مسحور کر لیے جاتے ہیں۔ تو حق کی اتنی کشش ہوتی ہے کہ جس طرح جادو اثر کرتا ہے اسی طرح حق بھی اثر کرتا ہے۔لوگ چونکہ حق کو ماننا نہیں چاہتے تو اس لیئے وہ اسے جادو کہہ کے deny کر دیتے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ آپنے آپ کو سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ چونکہ کچھ لوگوں کو حق سے چڑ ہوتی ہے تو وہ حق کو باطل کہہ دیتے ہیں۔اب ان تمام باتوں کو سُن کے حضرت موسیٰؑ چُپ نہیں رہے۔ اس سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے کہ اگر ایک داعیِ دین کوئی غلط بات سُنے تو اُس کے بارے میں صحیح بات پیش کرے۔ آیت 77

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ ھٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾

موسیٰؑ نے کہا: "تم حق کو یہ کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے سامنے آگیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے"۔

کیا پتا چلا کہ جادو کے لفظ پہ حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا۔ تم اس حق کو جادو کہتے ہو کیونکہ یہ تمہارے دلوں کو پکڑ رہا ہے۔ اگر میں جادوگر ہوں تو جادوگروں کو تو کبھی فلاح نہیں ملتی تو پھر مجھے بھی کبھی فلاح نہیں ملے گی۔ تو اب وہ سب لاجواب ہو گئے۔ یہ انکا پہلا اعتراض تھا۔ دین کی بات کرنے والے پر جو اعتراضات ہوتے ہیں اُن میں ایک یہ ہوتا ہے کہ یہ تو لوگوں کو اپنی باتوں میں لگا لیتے ہیں، جو انکے پیچھے لگتا ہے پھر لگ ہی جاتا ہے۔

اب دوسرا اعتراض آیت 78

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا

اُنہوں نے جواب میں کہا "کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

یہ دوسرا اعتراض تھا کہ آپ تو ہمیں ہمارے باپ دادا کے طریقوں سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو تو خوش لوگ اچھے ہی نہیں لگتے۔ لِتَلۡفِتَنَا رُخ پھیرنے کو کہتے ہیں۔ چہرے کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا۔ یعنی ہم اس چیز کو چھوڑ دیں جو ہمارے بڑے کرتے تھے۔ موسیٰؑ چونکہ یہ سب اللہ کے لیئے کر رہے تھے تو خاموش رہے۔ اب قوم کا تیسرا اعتراض

وَتَكُوۡنَ لَـكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِؕ اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے؟

اس جاہل قوم کا یہ تیسرا الزام تھا کہ آپ کو تو بڑا بننے کا شوق ہے۔ یہ دو بھائی مِل گئے ہیں اب دیکھو خاندان کو ایک طرف کر رہے ہیں اور یہ صرف اس لیئے کر رہے ہیں کہ الۡكِبۡرِيَا ہم بڑے بن جائیں۔

وَمَا نَحۡنُ لَـكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾ تمہارے بات تو ہم ماننے والے نہیں ہیں"

ان ساری باتوں کو پڑھتے ہوئے ایک دفعہ بھی موسیٰؑ کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکلا جس سے پتا چلے کہ موسیٰ بڑا بننا چاہتے ہیں۔ وزارت یا صدارت لینا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں سے آپ کو ایک نقطہ مل گیا کہ جب دین کی مخالفت کرنے والوں کو کوئی اور وجہ نہیں سمجھ آتی تو وہ دین والوں کی دعوت کو سیاسی رنگ دے دیتے ہیں۔ اصل خوف اُس سوچ کے پھیلنے کا ہوتا ہے جس کی روشنی میں اُنکا سٹائل نہیں چلتا۔ جب ویسٹرن سٹائل حق کے ساتھ نہیں چلتا تو لوگ دین والوں کو Extremities,

Fundamentalistاور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں کہ یہ تو اپنے نام اور عُہدوں کے لیئے کام کر رہے ہیں۔سچے دین والے کو ایسے کوئی عُہدے نہیں چاہیے ہوتے۔جہاں بھی دین کا کام ہو تو دین کا کام کرنے والوں کو وزیر، صدر کے عُہدوں سے دور رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔کیوں کہ لوگوں کو جتنے مسئلے مینجمنٹ سے ہوتے ہیں اُتنے اِکیڈیمیکل ڈیپارٹمنٹ سے نہیں ہوتے۔کچھ لوگ سمجھ نہیں پاتے اور اندر Complex بھی ہوتا ہے تو کہتے یں کہ ہمیں صدر بنائیں، میں چیئر پرسن بنوں گا اور اسی طرح کے اور نام۔

تو موسیٰؑ نے کہا کہ نہ تو مجھے بڑا بننا ہے اور نہ میرے بھائی کو۔اللہ نے ہمیں اتنا بڑا کام دے دیا تو ہم نے کیوں خود کو اِن چیزوں میں اُلجھانا ہے۔حضرت موسیٰؑ اُن کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دے رہے تھے۔اس سے اُنکے مشرکانہ نظام پہ چوٹ پڑ رہی تھی۔حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے فرعون کی بادشاہی اور اس کے سرداروں کی سرداری اور اُس دور کے مذہبی رہنماوں کی پیشوائی کو خطرہ تھا۔جو خطرہ آج کے دور میں بھی "لَااِلٰہَ اِلااللہ" کہنے والوں کی بات سے لوگوں کو ہوتا ہے۔یہ تمام باتیں فرعون بھی سُن رہا تھا۔اب اُس کے احکامات دیکھیں

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِىۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿۷۹﴾

اور فرعون نے (اپنے آدمیوں سے) کہا کہ "ہر ماہر فن جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو"

فرعون نے کہا کہ اچھا اگر یہ جادوگر ہے تو ہم اسکا مقابلہ بڑے جادوگروں سے کروا لیتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۸۰﴾

جب جادوگر آگئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا" جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے پھینکو"

حضرت موسیٰؑ کو کتنا اعتماد ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ تم پہل کرو۔ السَّحَرَةُ ، یہ السَّحَرَة کی جمع ہے جادوگر کی جمع۔ تو اُن تمام جادوگروں سے کہہ رہے ہیں کہ تم پہل کرو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ پھر جب انہوں نے اپنے آنچھر پھینک دیے تو موسیٰؑ نے کہا" یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے، اللہ ابھی اِسے باطل کیے دیتا ہے، مفسدوں کے کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ وہ جادو نہیں تھا جو میں کہہ رہا تھا، جادو تو یہ ہے جو تم کر رہے ہو۔ حضرت موسیٰؑ کو یقین تھا کہ ان کے پاس اللہ کا پیغام ہے اور ان کی باتیں اوپر کی شعبدہ بازی ہے۔ وہ جانتے تھے جب حق آئے گا تو باطل سب ختم ہو جائے گا۔ یہاں الْمُفْسِدِيْنَ جادوگروں کو کہا جارہا ہے۔ ان کا فساد کیا تھا کہ اللہ کے پیغام کو ہٹا کر اُسکی جگہ باطل نظام کو عام کرنا چاہتے تھے۔ آج کے دور کا فساد کیا ہے؟

پہلے تو یہ دیکھیں کہ آج کے دور کا "حق" کیا ہے؟ قرآن، حدیث، اللہ اور اُس کے رسول کی باتیں۔ اسکے مقابلے میں آج کے دور کا فساد کیا ہے؟ لوگوں کو جینے کے مختلف رنگ سکھانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کے ذریعے ہم سب کو ایک پیغام دے دیا کہ اگر مسلمانوں کے اندر بھی وہی اعتماد ہو جو موسیٰؑ کے اندر دِکھتا ہے تو آج بھی حق کے آنے پہ باطل چُھپ جائے گا۔ وہ کیسے؟ آیت 82

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو"

کوئی سمجھے نہ سمجھے، کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ ہو گا کہ جب حق آتا ہے تو باطل چلا جاتا ہے۔ میرے اور آپ کے لیئے اس میں عمل کا نقطہ ہے کہ "اپنے دین پہ جم جائیں"۔ اگر آپ کو اپنے حق پہ ہونے کا یقین ہے تو پھر اترانے کی بجائے اس پہ عاجزی کے ساتھ جم جائیں۔ اگر آپ کو لگے کہ آپ ٹھیک ہیں تو کوئی آپکو رینگلر کی ڈگری بھی پیش کر دے تو آپکو اُس کے مقابلے میں اپنا قرآن کا علم strong لگنا چاہیئے۔ آپ کسی قسم کے کمپلیکس میں نہ پڑیں۔ جب ہمارے اپنے اندر کمپلیکس ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی ہماری بات سمجھنے سے دُور کر دیتا ہے۔

اب یہاں پہ حضرت موسیٰؑ کے ناطے سے بات ہوئی جو پہلے بھی ہوئی تھی۔ آپ اسے اُن حالات میں جہاں یہ سورۃ نازل ہو رہی تھی اس کے ساتھ جوڑ کے دیکھ لیجیئے۔ تو اللہ کے نبیؐ کو تیرہ سال ہو گئے تھے مکہ کے لوگوں کو حق پیش کرتے ہوئے۔ اُن کو بھی اللہ کے نبیؐ سے وہی خطرے تھے جو موسیٰؑ کی قوم کو یہاں مل رہے ہیں۔ مثلاً السَّحَرَةُ۔ موسیٰؑ کو جادوگر کہہ رہے ہیں تو نبی کریمؐ کو کیا لقب ملا تھا، ساحر، جادوگر، مجنوں۔

دوسرا انکو کیا خطرہ تھا لِتَلْفِتَنَا۔ ہمیں اپنے باپ دادا کے طریقوں سے پھیر رہے ہیں۔ تو کیا اللہ کے نبی پہ یہ الزام لگا تھا؟ جی،، کہ باپ دادا کے طریقوں سے ہٹاتے ہیں۔

تیسرا خطرہ: الْكِبْرِيَا۔ تم دونوں بڑا بننا چاہتے ہو۔ تو کیا اللہ کے نبی کے پاس نہیں آ گئے تھے بلکہ آپؐ کے چچا کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے بھتیجے سے کہو کیا چاہتا ہے۔ ہم اس کی بات ماننے کو تیار ہیں۔ اگر بڑا بننا چاہتا ہے تو ہم سب مِل کے اس کو سردار بنا لیتے ہیں۔ شادی کرنا چاہتا ہے تو خوبصورت عورت سے شادی کروا دیتے ہیں۔

تو یاد رکھئیے کہ ہر دور میں دین کی طرف بُلانے والوں پہ الزامات ایک ہی جیسے لگتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ کہ پیچھے باطل ایک ہے۔ اگر حق ایک ہے تو باطل بھی ایک ہے۔ اُس میں رنگ فرق ڈلتے ہیں۔ ہر دور کا باطل فرق ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے دور کا باطل کچھ اور تھا۔ محمد ﷺ کے دور کا باطل کچھ اور تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہا حالانکہ وہ نبی تھے۔ جادوگر دنیا پرست ہوتے ہیں جبکہ نبی دین پرست ہوتے ہیں۔ جادوگروں کو مادی فائدے چاہئیے ہوتے ہیں اور دین داروں کو روحانی فائدے چاہئیے ہوتے ہیں۔

جادوگروں کی نظر انعام واکرام پہ ہوتی ہے اور نبی تعریف سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں۔ جادوگر عموماً لوگوں کو غلط اخلاق سکھاتے ہیں۔ اور نبی لوگوں کے اخلاق کو بہتر کرتے ہیں۔ اب ان آیتوں سے اگلا حصہ بہت خوبصورت ہے اور وہ کیا ہے کہ "موسیٰؑ پر ایمان کون لایا"

ہم اسکو نبی کریمؐ کے ساتھ جوڑیں گے کہ ہر دور میں یہی ہوتا ہے آیت 83

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى۔ تو کوئی ایمان نہیں لایا موسیٰؑ پر۔ اگر آپ ادھر ہی رُک جائیں اور کہہ دیں کہ ادھر تو لکھا ہے موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا تو یہ ناسمجھی ہو گی۔ قرآن کی out of text تفسیریں اسی طرح سے ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ آپ گھبرا جاتے ہیں کہ فلاں بھی تو اپنی بات کے جواب میں قرآن ہی کو کوٹ کرتے ہیں تو وہ ادھورا قرآن ہوتا ہے۔

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ۔ ////// (پھر دیکھو کہ) موسیٰؑ کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا،۔۔۔

یہ بالکل ایسے ہے کہ کوئی کہہ دے لااِلٰہ، لااِلٰہ۔ تو آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ کوئی اللہ نہیں تو جب کہیں گے اِلااللہ تو بات تو پختہ کرنے کے لیئے یہ انداز ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر youth لے کر آئی۔ اب یہاں نوجوانوں کا کردار دیکھیں۔ کیسے ؟

عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ٮِٕهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ‌ؕ ---- فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سر برآوردہ لوگوں کے ڈر سے (جنہیں خوف تھا کہ) فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔۔۔

یہ کون تھے ؟ حضرت موسیٰؑ کے دور میں مصر پہ "قبطی" قوم حکمران تھی۔ یہ فروعونکہ قوم تھی۔ جسے قرآن نے "آلِ فرعون" کہاہے اور اسرائیلی جو اُس دور کے مسلمان تھے وہ ان کے غلام تھے۔ موسیٰؑ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کی آذادی کے علمبردار تھے لیکن اسکے باوجود بنی اسرائیل میں سے بھی صرف چند نوجوانوں نے آپ کی دعوت پہ لبیک کہا۔ وجہ کیا ہے عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بنی اسرائیل لاکھوں کی تعداد میں تھی لیکن وہ لوگ فرعون اور اُسکے سرداروں کے ظلم کی وجہ سے خوف ذدہ تھے۔ ہر دور میں محکوم قومیں اسی طرح سے بزدل بن جاتی ہیں۔ بلکہ کچھ لوگ تو غداری کر کے حکمرانوں سے مِل جاتے ہیں۔ اور حکمرانوں سے کچھ مراعات، خطابات لے لیتے ہیں اور وفاداریاں بیچ دیتے ہیں۔ یہی ہوا۔ حضرت موسیٰؑ کے دور بنی اسرائیل کے کچھ لوگ فرعون کے ایجنٹ بن چکے تھے۔ اسکی سب سے بڑی مثال ہم آگے سورۃ القصص میں پڑھیں گے 'قارون' کی۔ موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا مگر فرعون کا درباری اور اُسکا ایجنٹ تھا۔ موسیٰؑ کے خلاف سازشیں کرتا تھا۔

بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے لوگ مُخبروں سے ڈرتے تھے۔ مُخبر کون ہوتے ہیں سی، آئی،ڈی والے۔ یہ اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے،لوگوں کی خبریں لیتے، دیتے تھے۔ تو جب ایک مصنوعی خوف پھیل جاتا ہے تو لوگ دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایمان کے حساب سے نہیں بلکہ عمر کے حساب سے۔ نوجوان ایک طرف اور بوڑھے ایک طرف۔ بوڑھے لوگ ایسے وقتوں میں ڈھکنے اور چُھپنے والے ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں، نہیں ہم رسک نہیں لے سکتے۔ داڑھی کٹوادو، خواہ مخواہ لوگوں کو پتہ چل جائے گا، اپنا حال حلیہ ٹھیک کر و ورنہ تم پہ سختی ہو گی۔

ایک دوسرا گروہ یوتھ کا بن جاتا ہے۔ نوجوان ہمیشہ باہمت اور پُرجوش ہوتے ہیں۔ اس لیئے وہ اس طرح کی انقلاب والی آواز پہ لبیک کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ جسطرح انسان جوانی میں گناہ کرنے سے نہیں ڈرتا اسی طرح نیکی کرنے سے بھی نہیں ڈرتا۔ جو جوان باطل میں پڑتے ہیں بہت ہی رُل جاتے ہیں لیکن جو نیکی میں پڑتے ہیں پھر اللہ کی توفیق سے یہ بوڑھوں سے زیادہ آگے بڑھتے ہیں۔

جب بھی قوموں پہ ups & down ہوتا ہے تو نوجوان سامنے آجاتے ہیں۔ یہ تو اُس دور میں ہوا، اللہ اپنے نبی کو کیوں سُنا رہے ہیں۔ اس لیئے کہ انکو بتا رہے ہیں کہ آپؐ ابو جہل کی فکر نہ کریں، عکرمہ آ جائے گا۔ آپؐ عبداللہ بن اُبی سے کیوں پریشان ہوتے ہیں، اُسکا بیٹا مسلمان ہو جائے گا۔ تو نبیؐ کے دور میں بھی جتنے لوگ اللہ کے نبیؐ پہ ایمان لائے وہ سب نبی کریمؐ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ اولادیں تو ایمان لے آئی تھیں لیکن بڑے اپنی خاندانی بحثوں میں پڑے رہے۔ تو یہی بات کہہ کے نبی کریمؐ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ غم نہ کریں یہ چند باہمت قسم کے نوجوان بہت سارے مصلحت پسند بوڑھوں

سے بہتر ہیں۔ یہ بڑے بوڑھے اپنے بچوں کے ایمان لانے کو روک رہے تھے۔ اگر ان کے ایمان لانے کے واقعات پڑھتے ہیں تو کانپ کے رہ جاتے ہیں۔مائیں دھمکیاں دے رہی ہوتی تھیں اور کبھی باپ۔ آج بھی کچھ مائیں اپنی بچیوں کو اُس وقت ڈانتی ہیں جب وہ حجاب کرنے لگتی ہیں کہ تم یہ کیا بن گئی۔ تمھارا رشتہ کہاں سے آئے گا اس حلیے میں۔ تو جب اس طرح کے حالات ہوں تو یہ بد بختی کی علامت ہے۔

وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں۔

جب حکمران ظالم ہوتے ہیں تو لوگ مصلحتوں کے پردے میں چھُپ کر حق کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہم اس سے عمل کی کیا بات لیں؟

کہ حق کا ساتھ دینا ہے۔ زندگی، موت تو لکھی ہوئی ہے، جو بھی ہو گا جب بھی ہو گا۔ اگر انسان اپنی بات پہ قائم رہے تو حق کو منوا بھی لیتا ہے۔ ورنہ موت تو باطل پرستوں کو بھی آنی ہے۔ یاد رکھیئے دین کے راستے میں جتنی آپکی مخالفتیں زیادہ ہوں اُتنا زیادہ آپ کو جمنا ہو گا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ لوہے کی کیل پہ آپ جتنی زور سے ضرب لگائیں گے وہ اور مضبوط ہو کے زمین کے اندر تک ٹھُک جائے گی اور اگر پلاسٹک کی کیل ہے تو وہ ایک ہی ضرب سے دو ٹکڑے ہو جائے گی۔ بالکل یہ حال سچے اور نقلی ایمان والے کا ہے۔ آپ کے اندر سچا ایمان ہے تو باہر سے جتنی بھی آزمائشیں، مخالفتیں ہیں، آپ اور جمیں گے۔ علامہ اقبال نے اسی کو کہا تھا

تُندی بادِ مخالف سے نہ گھبر ا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اُنچا اُڑانے کے لیئے

اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آج کے دور کے جو حالات ہمارے سامنے آرہے ہیں انکو دیکھتے ہوئے پر کھ سکیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔اور یہ ہر اُس دور میں ہوتا ہے جب کوئی بہت بڑی تبدیلی آنی ہوتی ہے۔ علم والے اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ اب یہ صدی تبدیلی کی صدی ہے۔ ہم پتہ نہیں کہاں ہونگے۔ یہ فتنوں کی بھی صدی ہے لیکن اس کے بعد بہت بڑی تبدیلی آنے والی ہے۔